فی سبیل اللہ فساد

یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذہبی شدت پسندی
کا تاریخی جائزہ

کیرن آرمسٹرانگ

ترجمہ: یونس منصور

مشعل

فی سبیل اللہ فساد

کیرن آرمسٹرانگ

MashalBooks.org

مشعل بکس
آر بی۔۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور۔54600، پاکستان

فی سبیل اللہ فساد

کیرن آرمسٹرانگ
اردو ترجمہ: یونس منصور

کاپی رائٹ اردو (C) 2004 مشعل بکس

MashalBooks.org

ناشر: مشعل بکس
آر۔ بی۔ ۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان
فون و فیکس 042-35866859

۱۔ تعارف

پہلا حصہ

پرانی دنیا اور نئی دنیا

۲۔ یہودی نقیب (1482-1700) 4

۳۔ قدامت پسندی (1492-1799) 16

۴۔ عیسائی، نئی بہادر دنیا (1492-1870) 86

۵۔ یہودی اور مسلم جدیدیت (1700-1870) 131

دوسرا حصہ

بنیاد پرستی

۱۔ صف بندی (1870-1900) 174

۲۔ بنیادی اصول (1900-1925) 214

۳۔ جوابی کلچر (1925-1960) 250

۴۔ صف بندی (1960-74) 290

۵۔ حملہ (1974-1979) 343

۶۔ شکست؟ (1979-1999) 389

۷۔ حرف آخر 444

MashalBooks.org

تعارف

بیسوی صدی کے آخر دور میں جو حیرت انگیز رجحانات سامنے آئے ہیں، ان میں سے ایک نہایت اہم رجحان، ہر مذہبی روایت میں پارسائی کا جارحانہ تصور ہے۔ جسے عام طور پر بنیاد پرستی کہتے ہیں اس کے مظاہر بعض اوقات بڑے دل خراش ہوتے ہیں۔ مسجدوں میں جا کر نمازیوں کو گولیاں مارنا لیڈروں اور حکمرانوں کو قتل کرنا اسقاط کے ہسپتالوں میں جا کر ڈیوٹی پر موجود نرسوں اور ڈاکٹروں کو قتل کرنا، یہاں تک کہ حکومت کا تختہ الٹ دینا بنیاد پرستوں کے لئے معمول کی بات ہے۔ مٹھی بھر بنیاد پرست ہیں جو ان بھیانک جرائم میں ملوث ہیں۔ حیرت تو یہ کہ بنیاد پرستوں میں جو لوگ امن پسند ہیں اور قانون کا احترام کرتے ہیں، وہ بھی جدید معاشرے کی بے شمار مثبت قدروں کے سخت مخالف ہیں۔ بنیاد پرستوں کی نظر میں جمہوریت، رواداری، امن و آشتی، آزادی اظہار اور مذہب و سیاست کے باہمی تضادات کی کوئی اہمیت نہیں۔ عیسائی بنیاد پرست زندگی کے آغاز کے متعلق فزکس و سیاست کے باہمی تضادات کی کوئی اہمیت نہیں۔ عیسائی بنیاد پرست زندگی کے آغاز کے متعلق فزکس اور بیالوجی کے انکشافات رد کرتے ہیں۔ انہیں اصرار ہے کہ اس سلسلہ میں انجیل نے جو بات بتائی ہے وہ سائنسی نقطۂ نظر سے مستند ہے۔ ایسے وقت جب لوگ ماضی کی زنجیریں توڑ کر ان سے آزاد ہو رہے ہیں۔ یہودی بنیاد پرست اپنی قدیم رسموں اور قوانین پر زیادہ شدت سے عمل پیرا ہیں۔ مسلمان عورتیں، مغربی عورتوں کی آزادی کی مذمت کرتے ہوئے اپنے

آپ کو برقعوں اور چادروں میں لپیٹ رہی ہیں۔ مسلمان اور یہودی بنیاد پرست عرب اسرائیل بحران کی توجیہہ مذہبی حوالوں سے کرتے ہیں حالانکہ شروع ہی سے اس کی نوعیت سیکولر تھی۔ خیال رکھنا چاہیئے کہ بنیاد پرستی ایک خدا کے ماننے والوں تک محدود نہیں بلکہ اس کے ڈانڈے بدھ، ہندو اور کنفیوشس بنیاد پرستی سے ملے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے لبرل کلچر کے ذریعے بڑی دل سوزی کے ساتھ حاصل ہونے والی بصیرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ مذہب کے نام پر لڑنا جھگڑنا اور قتل کرنا بنیاد پرستوں کا شیوہ بن گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ مذہب کا تقدس اور حرمت خاک میں ملانے کے لئے اسے قومی اور سیاسی خارزار میں لے جانے سے بھی دریغ نہیں کرتے جو مذہب کی شان کے سراسر خلاف ہے۔

مذہب کا ایک بار پھر ابھرنا بہت سے لوگوں کو حیران کر گیا ہے کیونکہ بیسویں صدی کے وسط میں تو یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ سیکولرازم ایک ناقابل شکست طاقت ہے اور یہ کہ مذہب اب کبھی بھی دنیاوی معاملات میں کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کر سکے گا۔ یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ چونکہ انسان پہلے سے زیادہ ریشنل اور سمجھدار ہو گیا ہے اس لئے اب وہ مذہب کا محتاج نہیں رہا۔ اگر اس کی ضرورت کبھی اس نے محسوس کی تو بھی مذہب اس کا پرائیویٹ معاملہ ہوگا اور ذاتی مسائل تک محدود رہے گا۔ 1970 کی دہائی کے آخری مرحلہ میں بنیاد پرستوں نے سیکولرازم کے خلاف بغاوت کی اور مذہب کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر اسے مرکزی مقام پر کھڑا کر دیا۔ اپنی اس کوشش میں انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ مذہب ایک بار پھر ایک ایسی طاقت بن گیا ہے جسے کوئی حکومت نظر انداز نہیں کر سکتی۔ بنیاد پرستی کو شکستیں تو ہوئی ہیں مگر مذہب کا اثر زائل نہیں ہوا۔ اب وہ نئے دور کا ناگزیر حصہ ہے اور مستقبل میں قومی اور بین الاقوامی ادارے پوری توجہ سے سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ یہ مذہبیت کیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ ہمارے کلچر کے بارے میں اس کا رویہ کیا ہے اور ہم اس کا سامنا مؤثر طریقے پر کیسے کر سکتے ہیں اور اس سے پیشتر کہ ہم آگے بڑھیں ہمیں طے کر لینا چاہیئے کہ بنیاد پرستی سے کیا مراد ہے؟

سب سے پہلے امریکی پروٹیسٹنٹ فرقہ نے اس ترکیب سے کام لیا۔ بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں ان میں سے بعض لوگ اپنے آپ کو بنیاد پرست کہلانے لگے تاکہ لبرل پروٹیسٹنٹ طبقہ سے ان کی شناخت الگ ہو سکے جو ان کے خیال مین عیسائی مذہب کو بگاڑ رہے

MashalBooks.org

تھے۔ بنیاد پرست اپنی مذہبی روایات کے ان بنیادی اصولوں کی طرف لوٹنا اور انہی پر زور دینا چاہتے تھے جو انجیل کی حرف بہ حرف توجیہہ اور اس کی روح سے ہم آہنگ ہوں۔ اس وقت سے دنیا کے تمام مذاہب کی ہر اصلاحی تحریک بنیاد پرستی کہلائی۔ مگر یہ صحیح نہیں اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بنیاد پرستی کی تمام تحریکیں ایک سی ہیں مگر یہ بات نہیں۔ بنیاد پرستی خود اپنی ذات میں ایک الگ قانون اور ایک الگ عقیدہ ہے۔ ہر بنیاد پرست تحریک کی کچھ اپنی خصوصیات اور اپنے محرکات ہیں۔ اس ترکیب سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ بنیاد پرست بہرحال قدامت پسند اور ماضی پرست ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کے لحاظ سے ماڈرن اور جدت پسند ہوتے ہیں۔ امریکی پروٹیسٹنٹ بے شک یہ چاہتے ہوں گے کہ وہ اپنے مذہب کے بنیادی اصولوں کی طرف لوٹ جائیں مگر انھوں نے یہ کام بڑے نئے انداز سے کیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مسیحی اصطلاح کا اطلاق صحیح معنوں میں ان تحریکوں پر نہیں ہوتا جن کی ترجیحات مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر مسلمان اور یہودی بنیاد پرستوں کو ڈاکٹرین (مذہبی عقائد) سے کچھ ایسا سروکار نہیں ہوتا، ڈاکٹرین بنیادی طور پر عیسائی بنیاد پرستوں کا مسئلہ ہے۔ بنیاد پرستی کا عربی ترجمہ اصولیہ ہے۔ ایک ایسا لفظ جس سے مراد اسلامی قوانین کے مختلف قواعد اور اصولوں کے ذرائع کا مطالعہ ہے۔ بے شمار اکٹیوسٹ (سرگرم عمل کارکن) مغرب میں بنیاد پرست کہلاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں بنیاد پرست کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے لفظ بنیاد پرستی باقی رہے گا۔ مجھے اتفاق ہے اس کا استعمال بے شک صحیح نہ ہو مگر ان تحریکوں کے لئے یہ ایک مشترکہ لیبل تو ہے جو اپنے اختلافات کے باوجود ایک مضبوط خاندان کی طرح ہیں۔

مارٹن، ای مارٹی اور آر سکاٹ اپیل نائی نے ''فنڈامینٹل پروجیکٹ'' میں کہا ہے کہ ''بنیاد پرست ایک مخصوص پیٹرن پر چلتے ہیں۔ بنیاد پرستی دراصل برسرپیکار روحانیت ہے۔ جو متوقع بحران کے توڑ کے لئے ابھری ہے۔ بنیاد پرست ایسے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہیں جن کی سیکولر پالیسیاں مذہب کے خلاف ہیں۔ ان کے لئے یہ جنگ عام رسمی جنگ نہیں بلکہ نیکی اور بدی کی طاقتوں کے درمیان ایک ایسی جنگ ہے جس کا میدان کارزار پوری کائنات ہے۔ انہیں اپنے مٹ جانے کا ڈر ہے۔ اس لئے وہ بعض مخصوص اور منتخب مذہبی تصورات، ماضی کی رسموں اور عبادات کے پیچھے پناہ لیتے ہیں تاکہ ان کی محصور شخصیتیں قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جائیں۔

MashalBooks.org

اپنی پارسائی میں ملاوٹ سے بچنے کے لئے وہ زندگی کے بڑے دھارے سے کٹ کر رہتے ہیں اور اس طرح کلچر دشمن رجحانات پیدا کرتے ہیں۔ بنیاد پرست بے عمل نہیں ہوتے نہ انہیں خوابوں میں کھوئے رہنے کی عادت ہوتی ہے۔ انہوں نے نئے دور کی عملی دانش اپنے اندر جذب کی ہے۔ اپنے کرشماتی لیڈر کی قیادت میں وہ بنیادی اصولوں کو سنوارنے اور نکھارنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو ایسی آئیڈیالوجی دے سکیں جوان کے لئے صرف نظریہ نہیں بلکہ لائحہ عمل بھی ہو۔ وہ جوابی لڑائی لڑتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کو لمحہ بہ لمحہ بے یقینی کی طرف بڑھتی ہوئی دنیا کو یقین دے سکیں۔ ماڈرن کلچر پر اس عالمی رجحان کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ بنیاد پرستی کی چند تحریکوں کو فوکس میں لیا جائے۔ وہ تحریکیں جو یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں نمودار ہوئی ہیں۔ یہ تینوں مذاہب ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھنے کی بجائے میری خواہش ہے کہ تینوں کو مجموعی طور پر سامنے رکھتے ہوئے تاریخی ترتیب اور پس منظر کے ساتھ انہیں سمجھنے کی کوشش کروں تا کہ ان کی باہمی مشابہت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس ضمن میں جن تحریکوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ ان کا گہرا مطالعہ کیا جا سکے گا۔ امریکی پروٹیسٹنٹ بنیاد پرستی، اسرائیل میں یہودی بنیاد پرستی اور مصر میں مسلم بنیاد پرستی، ہمارے موضوع ہیں۔ مصر سنی ملک ہے اور ایران شیعہ ہے۔ مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میرے انکشافات کا اطلاق بنیاد پرستی کی باقی تحریکوں پر بھی ہو سکے گا، جو کسی نہ کسی صورت میں ان سے مختلف ہیں مگر اُمید ہے کہ یہ مخصوص تحریکیں جو انتہائی بااثر ہیں اور امتیازی حیثیت میں ہیں۔ ان سب کے خوف، بے چینی اور اُمنگیں ایک جیسی ہیں۔ جو نئی سیکولر دنیا کے بعض مسائل اور مشکلات کا ردِ عمل ہیں اور یہ کوئی خلاف معمول بات نہیں۔ ہر دور میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں جنھوں نے اپنے زمانے کے نئے رجحانات کی سخت مخالفت کی ہے مگر بنیاد پرستی کی بات اور ہے۔ یہ تحریک بیسویں صدی کی پیداوار ہے اور مغرب کے سیکولر اور سائنسی کلچر کے خلاف ایک صدائے احتجاج ہے۔ یہ کلچر پہلے تو صرف مغرب میں پھیلا تھا مگر رفتہ رفتہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی جڑ پکڑ گیا۔ مغرب میں ایک ایسی تہذیب نے جنم لیا ہے جس کی پہلے کوئی مثال نہیں مگر مذہب نے بھی ایسا جواب دیا ہے کہ اس جواب کی یکتائی میں کلام نہیں۔ بنیاد پرستی کی تحریکیں ہمارے دور میں پھیلی ہیں۔ ان کا تعلق جدیدیت سے کچھ ایسا ہے کہ وہ مغرب کی سائنسی دانش کا انکار بے شک کرتی رہیں مگر اس سے بچ کر نہیں

MashalBooks.org

جا سکتیں۔مغربی تہذیب نے دنیا بدل دی ہے۔،اب مذہب پہلے جیسا کبھی نہیں ہوگا نہ کوئی اور چیز پہلے جیسی ہو سکتی ہے۔ساری دنیا میں لوگ اس نئی سچویشن کے ساتھ دست و گریباں ہیں اور مجبور ہو گئے ہیں کہ اپنی مذہبی روایات کا نئے سرے سے جائزہ لیں کیونکہ وہ ایک بالکل مختلف سوسائٹی کے لئے تھیں۔700 سے 260 قبل مسیح تک زمانہ قدیم میں ایک ایسا ہی عبوری دور آیا تھا۔مؤرخ اسے ایکسئیل دور یعنی تشکیلی دور کہتے ہیں کیونکہ انسان کی روحانی ترقی میں اس نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔وہ دور بذات خود ہزاروں سال کی معاشی اور نتیجتاً سماجی اور کلچری ترقی کی پیداوار تھا۔اس کا آغاز سمیر (جسے اب عراق کہتے ہیں) اور قدیم مصر سے ہوا تھا۔جب لوگ اپنی فوری ضرورتیں پوری کرنے کے لئے فصلیں اُگانے کے علاوہ فالتو زرعی پیداوار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے فالتو زرعی پیداوار ان کے لئے اضافی آمدنی کا ذریعہ بنی اس طرح وہ اس کے اہل ہوئے کہ پہلی نئی تہذیبوں کی داغ بیل ڈال سکیں،فنون کو ترقی دیں اور مضبوط و مستحکم طرز حکومت کا آغاز کریں۔جس کے مظاہر کے طور پر شہر،سٹی اسٹیٹ اور بالآخر سلطنتیں قائم ہوئیں۔ زرعی معاشرہ میں طاقت کا مرکز صرف بادشاہ یا پادری نہیں ہوتے بلکہ منڈیاں بھی ہوتی ہیں جو ہر کلچر کی تشکیل کا ذریعہ بنتی ہیں۔ان بدلے ہوئے حالات میں آخر کار لوگوں نے محسوس کرنا شروع کر دیا کہ وہ پرانا الحاد جس سے ان کے آباؤ اجداد نے خوب فائدہ اٹھایا تھا شاید اب وہ مشکل سے ہی ان کے کام آئے۔ایکسئیل دور کے شہروں اور سلطنتوں میں لوگوں کے انداز فکر اور تناظر میں وسعت آ رہی تھی۔جس کی وجہ سے پرانے مسلک اور عقائد تنگ نظری اور تعصب پر محمول نظر آنے لگے۔خدا کی ذات کو مختلف اور کئی صورتوں میں تقسیم کرنے کی بجائے لوگ اسے وحدت اور برگزیدگی کی اعلیٰ وارفع صورت میں ماننے اور اس کی عبادت کرنے لگے۔ان دنوں زندگی لوگوں پر آسان تھی اور انہیں فرصت بھی بہت تھی۔اس لئے انہوں نے اپنی داخلی زندگی بھرپور طریقہ سے منظّم کی۔جس سے یہ ہوا کہ ان میں ایک ایسی روحانیت کے لئے تڑپ پیدا ہو گئی۔جس کا تمام تر انحصار خارجی ذرائع پر نہ ہو۔جو لوگ حساس تھے انہیں غریب کسانوں کا خیال ستانے لگا جن کی محنت اور مشقت پر زرعی معاشرہ قائم تھا مگر وہ خود اس معاشرہ کی ناانصافیوں اور ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔اس لئے اونچے کلچر کی آسائشوں اور سہولتوں میں ان کا کوئی حصہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ایسی صورت میں پیغمبر اور ریفارمر ظاہر ہونے لگے جنہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ ہر روحانیت

MashalBooks.org

کی بنیاد انسان دوستی ہے اور یہ کہ ہر انسان میں حرمت اور پاکیزگی دیکھنے کی صلاحیت ہے اور کمزور انسانوں کی عملی مدد سے پارسائی کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح ایکسئیل دور میں وہ مذہب دنیا میں ظہور پذیر ہونے لگے جنہوں نے ہمیشہ انسان کی خدمت اور ہدایت کا کام جاری رکھا جیسے ہندوستان میں بدھ ازم اور ہندو ازم، مشترق بعید میں کنفیوشس ازم اور تاؤ ازم، مشرق وسطیٰ میں توحید اور یورپ میں ریشنل ازم (عقلیت)

اپنے نمایاں اختلافات کے باوجود ایکسئیل دور کے ان بڑے مذاہب میں بہت سی باتیں مشترک تھیں ان سب کی بنیاد اس قدیم روایت پر تھی جس کا محور اعلیٰ وارفع واحدانیت تھی۔ انہوں نے باطنی روحانیت اور خلق کی خدمت پر زبردست زور دیا تھا۔ آج پھر ہم کسی ایسی ہی صورتحال سے دوچار، ایک ایسے ہی عبوری دور سے گزر رہے ہیں جس کی جڑیں سولھویں اور سترھویں صدی کے جدید دور میں ہیں جب مغربی یورپ میں ایک مختلف معاشرہ ابھرنے لگا تھا جس کی بنیاد زائد زرعی پیداوار کی ایک ایسی ٹیکنالوجی پر تھی جس نے لوگوں کو اس قابل کر دیا تھا کہ وہ اپنے ذرائع پیداوار لامحدود بنادیں۔ پچھلے چار سو سال کی اقتصادی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ زبردست سماجی، سیاسی اور فکری انقلاب بھی آتے رہے اور سچائی کے تصور کے بارے میں ایک بالکل مختلف قسم کی سائنسی اور ریشنل اپروچ بھی آگے بڑھتی رہی۔ اس طرح ایک بار پھر ایک بہت بڑی مذہبی تبدیلی ضروری ہوگئی۔ ساری دنیا کے لوگ محسوس کر رہے تھے کہ حالات مین ڈرامائی تبدیلیوں کے بعد ان کے مذاہب اپنی پرانی شکل میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے وہ آج کے انسان کو حوصلہ دے سکتے ہیں نہ اسے راستہ دکھا سکتے ہیں اس لئے مرد اور عورتیں ایکسئیل دور کے مصلحین اور پیغمبروں کی طرح اپنے مذہب کے لئے نئے راستے تلاش کر رہے ہیں۔ وہ ماضی کی بصیرتوں کے سہارے ایسا راستہ بنا رہے ہیں جس پر چل کر انسان اس نئی دنیا میں آگے بڑھ سکیں جو انہوں نے اپنے لئے تخلیق کی ہے۔ ان تجربات میں سے ایک تجربہ جو بظاہر چاہے کتنا ہی متضاد ہو بنیاد پرستی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ماضی میں بھی لوگ کم و بیش ہم جیسے ہی ہوتے ہوں گے مگر دراصل ان کی روحانی زندگی ہم سے مختلف تھی۔ انہوں نے سوچنے، بولنے اور علم حاصل کرنے کے دو طریقے وضع کئے تھے جنہیں سکالر مائتھوس اور لوگوس کہتے ہیں۔ دونوں ہی انتہائی ضروری تھے کیونکہ خیال کیا جاتا تھا کہ سچ کی تلاش میں ایک دوسرے کے معاون ہیں مگر دونوں اپنی انفرادی حیثیت میں

MashalBooks.org

بھرپور تاثر کے مالک تھے۔ متھ ابتدا تھی مگر اسے دائمی اور وقت کی قید سے آزاد سمجھا جاتا تھا۔ متھ کا تعلق زندگی کے آغاز، کلچر کی جڑوں اور انسانی ذہن کی گہرائیوں سے ہے۔ عملی معاملات کی بجائے اس کی تمام تر توجہ زندگی کی معنویت اور گہرائی پر ہوتی ہے۔ جب تک ہمیں اپنی زندگی میں کوئی معنی نہ ملیں، ہم فانی انسان بڑی آسانی سے دل برداشتہ ہوجاتے ہیں۔ معاشرے کی مائتھوس لوگوں کو جینے کا شعور دیتی ہیں۔ ایسی آگاہی دیتی ہے جس سے انہین اپنے ہونے میں، اپنی روزمرہ زندگی میں معنی نظر آتے ہیں۔ وہ ان کی توجہ زندگی کے دائمی اور کائناتی پہلوؤں کی طرف موڑ دیتی ہے جبکہ اس کی جڑیں جسے ہم لاشعور کہتے ہیں اس میں بھی موجود ہوتی ہیں۔ کئی دیومالائی کہانیاں اس لئے نہیں کہ انہیں لفظی معنوں میں لیا جائے، نفسیات کی ایک قدیم شکل ہیں۔ جب لوگ عفریتوں کے ساتھ بہادروں کی لڑائیوں کے قصے سنایا کرتے تھے تو ایسا کرتے ہوئے دراصل وہ تحت الشعور کے وہ مخفی گوشے اور پہلو سامنے لاتے تھے جو ریشنلزم (عقلیت) کی پہنچ سے باہر ہیں۔ مگر جو ہمارے تجربہ اور زاویہ پر بہت گہرا اثر کرتے ہیں۔ اپنی ماڈرن سوسائٹی میں متھ کے قحط کی وجہ سے ہمیں نفسیاتی تجزیئے کی بنیاد رکھنی پڑی تاکہ اپنی باطنی دنیا سے عہدہ برآ ہونے میں مدد مل سکے۔ متھ کو ثابت کرنا ریشنلزم کے بس کی بات نہیں نہ اس کے ذریعہ متھ کی توجیہہ ہوسکتی ہے۔ آرٹ، موسیقی، شاعری اور صنم تراشی کی طرح اس کی بصریتیں وجدانی ہوتی ہیں۔ متھ صرف اس وقت حقیقت بنتی ہے جب وہ مراسم، مسلک اور تہواروں کا حصہ بن کر ان میں جلوہ گر ہو۔ جو لوگوں پر جمالیاتی لحاظ سے اثر انداز ہوتے ہیں، انہیں ایک گہری معنویت کا شعور دیتے ہوئے اس قابل بناتے ہیں کہ زندگی کی گہرائیوں کا ادراک کرسکیں۔ متھ اور مسلک یک جا نہیں ہوسکتے۔ ویسے اس پر بحث ہوسکتی ہے کہ دیومالائی بیانیہ یا اس سے منسلک ہونے والے مسلک میں سے پہلے کس کا ظہور ہوا تھا۔ متھ تصوف سے بھی وابستہ ہے۔ سائیکی میں اس کا نزول دھیان فوکس اور استغراق کے ذریعہ ہوتا ہے جن کے وسیلہ سے ہر کلچر میں وجدانی بصیرت حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کسی مسلک یا صوفیانہ ریاضت کے بغیر مذہبی متھ کے کوئی معنی نہیں ان کے بغیر وہ مجرد اور غیر معتبر ہوتی ہے۔ جدید دور سے پہلے تاریخ کے متعلق دنیا کا نقطۂ نظر کچھ اور تھا۔ پہلے لوگ تاریخی واقعات میں کم دلچسپی لیتے تھے۔ ان کی تمام دلچسپی واقعہ کی معنویت میں تھی۔ وہ اس کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ انہیں تاریخی واقعات انوکھے نہیں لگتے تھے۔ ان کا

MashalBooks.org

خیال تھا کہ وہ دائمی اور وقت سے آزاد حقیقتوں کے ظاہری مظہر ہیں۔ ان کی خارجی شکلیں ہیں۔ اسی لئے تاریخ لازمی طور پر اپنے آپ کو دہراتی ہے کیونکہ دنیا میں ماضی سے کٹ کر کبھی کوئی نئی بات نہیں ہوتی کوئی نیا واقعہ نہیں ہوتا۔ تاریخ کا مقصد اسی دائمی حقیقت پر زور دینا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ دور قدیم میں جب اسرائیلی جانیں بچا کر مصر سے نکلے اور پانی نے انہیں راستہ دے دیا تو اس واقعہ کی اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ کہانی جان بوجھ کر متھ کے انداز میں لکھی گئی ہے اور اسے اس جیسی ہی دوسری کہانیوں سے جوڑا گیا ہے۔ پانیوں کی گہرائیوں میں اترنا اور سمندر کا دو نیم ہوکر راستہ دینا، ایک نئی حقیقت کو جنم دینا ہے۔ یہودی ہرسال یہ واقعہ اپنا مذہبی تہوار منا کر یاد کرتے ہیں اور اس تجربہ کو ذاتی سطح پر دہراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا ذاتی تجربہ ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی تاریخی واقعہ اسی طرح متھ کی شکل اختیار نہ کرے اور ایک زندہ مسلک بن کر اپنے آپ کو ماضی سے آزاد نہ کر سکے تو یقیناً ایسا واقعہ مذہبی نہیں ہوسکتا۔ اب یہ سوال کہ کیا مصر سے یہودیوں کا اخراج بالکل اسی طرح ہوا تھا جیسا کہ انجیل میں بیان ہوا ہے؟ یا اس واقعہ کی صداقت کے تاریخی اور سائنسی ثبوت طلب کرنا، اس کہانی کے مقصد اور نوعیت کے خلاف ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے مائتھوس کو لوگوس سے کنفیوز کیا جائے۔ لوگوس کی اہمیت کم نہیں۔ لوگوس ہی وہ ریشنل (عمل پسند) اور سائنسی انداز فکر ہے جس نے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں اچھی طرح رہنے کے قابل بنایا ہے۔ آج مغرب میں ہمیں شاید مائتھوس کا شعور نہ رہا ہو مگر ہم لوگوس سے خوب واقف ہیں کہ وہی تو ہماری سوسائٹی کی خشت اول ہے۔ متھ کے برعکس لوگوں کو حقائق کے عین مطابق اور خارجی اصلیتوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اگر اسے مؤثر ہونا ہے۔ اسے اس بے کیف دنیا میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا ہے۔ ہم اس منطقی اور کسی حد تک بے ترتیب استدلال کا سہارا اس وقت لیتے ہیں جب ہم چاہتے ہیں کہ کچھ ہو کر رہے، ہم کچھ کر لیتے ہیں یا دوسروں کو ایک خاص طرز عمل کی ترغیب دیتے ہیں۔ لوگوس باعمل ہے متھ کے برعکس جو پیچھے دیکھتی ہے اور ابتداؤں اور بنیادوں پر نظر رکھتی ہے۔ لوگوس کو آگے بڑھنا اور نئی دریافتوں کا عمل تیز کرنا ہوتا ہے کہ پرانی دانش اور بصیرتوں کو نئے معنی ملیں۔

جدید دور سے پہلے متھ اور لوگوس کا ساتھ ناگز خیال کیا جاتا تھا۔ ایک کے بغیر زندگی نامکمل سمجھی جاتی تھی۔ اس کے باوجود دونوں کی انفرادیت الگ الگ اور نمایاں تھی۔ دونوں کو آپس میں

الجھانا خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ دونوں کے مدار الگ الگ تھے۔ متھ ہر دلیل سے بے نیاز ہے۔ اس کے بیان اس کی کہانیوں کو کسی مشاہدہ اور تجربہ کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔ متھ ہماری عملی زندگی اور سرگرمیوں کو معنی دیتے ہوئے ان کا ایک مقام متعین کرتی ہے۔ مگر ہمیں یہ نہیں کرنا کہ اپنی عملی زندگی اور حکمت عملی کی بنیاد مائتھوس پر رکھیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو اس کے نتائج تباہ کن ہوسکتے ہیں۔ اس لئے کہ جو بات سائیکی کی داخلی دنیا میں صحیح ثابت ہوتی ہے اس پر ہم خارجی دنیا میں عمل پیرا نہیں ہوسکتے۔ مثال کے طور پر جب پوپ اربن دوم س 1095 میں پہلی صلیبی جنگ کا حکم دیا تو اس کا فیصلہ لوگوس کے زیر اثر تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یورپ کے عیسائی بادشاہ آپس میں لڑنا بند کریں اور اس کی پاپائیت کی دھجیاں نہ بکھیریں بلکہ اپنی طاقت مشرق وسطیٰ کی جنگ میں خرچ کریں اور کلیسا کی طاقت بڑھائیں مگر جب یہ جنگی مہم متھ اور انجیل کی کہانیوں میں الجھا دی گئی تو اس کے نتیجہ میں اخلاقی، نفسیاتی اور جنگی لحاظ سے انتشار کا شکار ہوگئی۔ صلیبی جنگوں پر جب تک لوگوس کا اثر ونفوذ باقی رہا کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں۔ میدان جنگ کی کارکردگی اچھی رہی۔ مشرق وسطیٰ میں نوآبادیاں بنائی گئیں اور مقامی آبادی سے بھی رابطے قائم ہوئے مگر جب انہوں نے متھ اور تصوف کو اپنی پالیسیوں کی بنیاد بنایا تو ناکامیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور صلیبی جنگجو بدترین مظالم کے مرتکب ہوئے۔

لوگوس کی کچھ مجبوریاں اور اس کی اپنی حدیں ہیں۔ انسانی دکھ درد میں کمی کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ عقلی دلائل سے ٹریجیڈی میں معنی پیدا نہیں ہوتے۔ لوگوس کے پاس انسانی زندگی کی قدر و قیمت کے متعلق کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سائنسدان بڑی قابلیت کے ساتھ جسمانی کائنات کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ اس کے بارے میں نئی حیرت انگیز باتوں کا انکشاف کرسکتا ہے۔ مگر یہ نہیں بتا سکتا کہ زندگی کیا ہے اور زندگی کے معنی کیا ہیں۔ زندگی کے معنی بتانا مسلک اور متھ کا اعزاز ہے۔

اٹھارویں صدی تک یورپ اور امریکہ کے لوگوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کرلی تھیں، ایسی کہ وہ لوگوس کو ہی سچائی کا ذریعہ سمجھنے لگے اس طرح انہوں نے متھ کو جھوٹ پر مبنی سمجھا اور توہم پرستی کا نام دے کر اسے نظرانداز کرنے لگے۔ یہ بھی سچ ہے کہ وہ جس دنیا کی تخلیق کررہے تھے اس دنیا کو قدیم دیومالائی روحانیت سے انکار تھا۔ وہ اسے رد کرتی

MashalBooks.org

تھی۔ نئے زمانہ میں ہمارے مذہبی تجربے کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کی بڑی تعداد سائنسی عقلیت ہی کو سچ سمجھتی ہے۔ انہوں نے یہ کوشش اکثر کی ہے کہ اپنے مذہب کی متھ کو لوگوس میں بدل دیں۔ یہ کوشش بنیاد پرستوں نے بھی کی ہے مگر اس کنفیوژن سے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری دنیا کیسے بدلی ہے۔ اس کتاب کا پہلا حصہ پندرھویں صدی کے آخر اور سولھویں صدی کے اوائل سے متعلق ہے جب مغربی یورپ میں نئی سائنسی ترقی کا آغاز ہوا تھا۔ ہم جدیدیت سے پہلے دور کی زرعی تہذیب کی دیومالائی پارسائی کا جائزہ بھی لیں گے تاکہ ہمیں اندازہ ہو کہ مذہب اپنی پرانی شکل میں انسانی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوا کرتا تھا۔ اس بہادر نئی دنیا میں پرانی مذہبیت سے وابستگی بہت دشوار ثابت ہو رہی ہے۔ نئے رستوں پر چلنا ہمیشہ محنت طلب اور تکلیف دہ عمل رہا ہے۔ سوسائٹی میں بنیادی تبدیلیوں کی وجہ سے دنیا اجنبی لگتی ہے۔ پہچانی نہیں جاتی۔ لوگ اپنے آپ کو پریشان تنہا اور الگ تھلگ محسوس کرتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں یہودیوں اور مصر و ایران کے مسلمانوں پر جدیدیت کا کیا اثر ہوا ہے۔ تب ہم یہ جاننے کی پوزیشن میں ہوں گے کہ اس وقت بنیاد پرستوں کے ارادے کیا تھے جب وہ انیسویں صدی کے آخر میں مذہب کو نئی شکل میں تخلیق کر رہے تھے۔

بنیاد پرست سمجھتے ہیں کہ وہ ان طاقتوں کے خلاف لڑ رہے ہیں جن سے ان کی مقدس قدروں کو خطرہ ہے۔ حالات جنگ میں فریقین کے لئے مشکل ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا نقطہٴ نظر سمجھ سکیں۔ جدیدیت نے معاشرے کو دو حصوں میں بانٹ تو دیا ہے مگر بعض وقت یہ بھی کیا ہے کہ تصادم کو پھیلنے سے روکا ہے۔ ہمیں ان کی مشکلات اور انداز فکر کا اندازہ ہونا بھی ضروری ہے میرے سمیت وہ سب لوگ کہ جنہیں جدیدیت کی آزادیاں اور سہولتیں میسر ہیں مذہبی بنیاد پرستوں کی پریشان حالی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جدیدیت کو اکثر آزادی کی بجائے جارحیت کے طور پر لیا جاتا ہے نئی دنیا میں یہودیوں جیسے مسائل کا سامنا کم لوگوں نے کیا ہوگا۔ سو مناسب ہے کہ بات انہی سے شروع کی جائے۔ پندرھویں صدی کے آخر میں مغرب کی عیسائی دنیا کی ماڈرن سوسائٹی کے ساتھ ان کی آویزش کی بات کی جائے جس کی وجہ سے بعض یہودیوں نے نئی دنیا میں رائج ہونے والی حکمت عملیوں کا وقت سے پہلے ہی اندازہ کر لیا۔

MashalBooks.org

MashalBooks.org